ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 04 No. 02. October-December 2025.Page# 1067-1077
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Analytical Study of Social and Educational Strategies for the Eradication of Extremism in the Contemporary Era

عصرِ حاضر میں شدت پسندی کے خاتمے کے لیے سماجی و تعلیمی حکمتِ عملیاں تجزیاتی مطالعہ

Iqra Jamil
MS Islamic Studies Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila Cantt, Punjab, Pakistan
iqraharis213@gmail.com
Dr.saeed Ahmed
Lecturer, Deparrtment of Islamic Studies, HITEC University Taxila, Cantt, Punjab, Pakistan.
saeedahmadiiui@gmail.com

Abstract
In the contemporary world, extremism has become a global issue that poses a serious challenge not only to the peace and stability of states but also to social harmony. In Pakistan and many other developing countries, the spread of extremism is driven by social, economic, political, and educational factors. Social inequality, class divisions, poverty, unemployment, and the lack of justice have pushed individuals particularly the youth toward frustration and radicalization. Moreover, disparities in the education system, the absence of tolerance and moral education in curricula, and the weakening of family structures have further reinforced extremist tendencies.
This study analyzes the potential of social and educational strategies in addressing extremism. In the field of education, curriculum reform, moral training, and the promotion of tolerance are essential. At the social level, the media, religious scholars, parents, and civil society must play a constructive role to strengthen peace, justice, and equality within the community. State policies must also prioritize human development, employment opportunities, and the establishment of a justice-based system. Consequently, when education and society work together in a reformative manner, the elimination of extremism becomes possible, paving the way for a balanced, peaceful, and progressive society.

Keywords: *Extremism, Social Strategies, Educational Reforms, Tolerance and Patience, Social Harmony*

تمہید: شدت پسندی (Extremism) کا مطلب ایسے خیالات، عقائد یا رویے ہیں جو اعتدال پسندی یا روایتی اصولوں سے بہت زیادہ ہٹ کر ہوتے ہیں اور عام طور پر دوسرے نظریات کے لیے عدم برداشت یا دشمنی پر مبنی ہوتے ہیں۔ شدت پسندی مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتی ہے، جیسے مذہبی، سیاسی، سماجی، یا نظریاتی شدت پسندی

شدت پسندی کے اسباب

ناانصافی: ناانصافی اور ظلم کسی بھی معاشرے کی ترقی اور امن و سکون کے لیے زہر قاتل ہیں۔ وہ معاشرے جہاں ناانصافی کا راج ہو، وہاں افراد میں انتقام، شدت پسندی اور مایوسی جیسے منفی جذبات پنپتے ہیں۔ پاکستانی معاشرت، جو مختلف زبانوں، تہذیبوں، فرقوں، اور سماجی و اقتصادی طبقات پر مشتمل ہے، ان عوامل کے تحت شدید تناؤ اور عدم توازن کا شکار ہے۔

امیر اور غریب کا فرق مادہ پرستی اور معاشی عدم مساوات نے معاشرے میں اخلاقی دیوالیہ پن اور تشدد کو فروغ دیا ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور وسائل پر چند افراد کی اجارہ داری نے عام آدمی کو مایوس اور بے حس بنا دیا ہے۔ اس فرق نے انسانی تعلقات کو مفادات کی بنیاد پر محدود کر دیا ہے۔

صوبائیت اور نسل پرستی: فرقہ واریت، زبان، اور علاقائی تعصب نے معاشرتی ہم آہنگی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ یہ عناصر قوم کو تقسیم کر کے انفرادی مفادات کو تقویت دیتے ہیں۔

قانونی نظام کی کمزوریاں: انصاف کی عدم دستیابی، قانونی پیچیدگیاں، اور عدالتوں میں تاخیر نے عوام کا نظام انصاف پر اعتماد ختم کر دیا ہے۔ سستا اور فوری انصاف ریاستی ذمہ داری ہے، لیکن موجودہ نظام اس میں ناکام نظر آتا ہے۔

میڈیا کا کردار: الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا معاشرتی ناانصافیوں کو اجاگر کرنے اور مظلوموں کو انصاف دلانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ میڈیا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کے مسائل کو سامنے لا کر ان کے حل کے لیے رائے عامہ ہموار کرے اور ریاستی اداروں کو متحرک کرے۔

ذات پات کا نظام: ذات پات اور نسلی امتیاز کا نظام صدیوں سے انسانی معاشرت کا حصہ رہا ہے اور مختلف قوموں میں اس نے مختلف شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس نظام نے معاشرتی تقسیم، تعصب، اور نفرتوں کو جنم دیا، جو انسانی اتحاد اور امن کے لیے ایک بڑی رکاوٹ بن چکی ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان بھی یہ رویہ پایا جاتا ہے، حالانکہ اسلام کی بنیاد عدل، مساوات، اور اخوت پر رکھی گئی ہے۔

اسلام کا اصول برابری اور وحدتِ انسانی

اسلام نے ذات پات، نسل، اور رنگ کی بنیاد پر کسی بھی قسم کی تفریق کو مسترد کیا ہے۔ قرآن کریم نے انسانوں کی تخلیق کے حوالے سے واضح فرمایا

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً[1] ۚ "

ترجمہ: "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مرد و عورت پھیلائے۔" یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماخذ سے ہیں، اور ان میں کوئی پیدائشی برتری یا پستی نہیں۔

بڑائی کا معیار: اسلام نے اعلان کیا کہ اگر کسی انسان کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل ہے تو وہ صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ہوگی۔

" إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[2]

ترجمہ: "بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اسلامی اخوت اور بھائی چارہ

اسلام نے اخوت اور بھائی چارے کے اصول کو انسانیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

"کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر، مگر تقویٰ کے ذریعے[3]"

یہ اصول انسانی مساوات کا وہ اعلان ہے جو دنیا کے تمام تعصبات کو ختم کرتا ہے۔

ذات پات کے نقصانات:

ذات پات اور نسلی امتیاز معاشرتی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں اور معاشرے میں تفریق اور عدم مساوات کو فروغ دیتے ہیں۔ نفرت اور دشمنی کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ انسانی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ امن و امان کی فضا کو ختم کر دیتے ہیں۔

اسلامی اصولوں کا نفاذ: مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ذات پات کے تعصبات کو ترک کریں۔ مساوات اور اخوت کے اصولوں کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔ معاشرتی اصلاح کے ذریعے انصاف اور مساوات پر مبنی نظام قائم کریں۔

---

1 النساء 1:4

2 الحجرات 13:49

3 خطبہ حجۃ الوداع

اسلامی تعلیمات انسانی معاشرت کی بنیاد اخوت، بھائی چارے، اور انصاف پر رکھتی ہیں۔ قرآن اور سنت میں بارہا مسلمانوں کے درمیان اخوت کی تلقین کی گئی ہے تاکہ وہ معاشرتی اور دینی طور پر ایک مضبوط وحدت کی صورت میں زندگی بسر کریں۔

قرآنی حکم:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

" إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ"[4]

ترجمہ: "مسلمان تو سب بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

یہ آیت مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور محبت کی بنیاد ہے، جو ایک مضبوط معاشرے کی تعمیر کے لیے لازم ہے۔

احادیثِ نبوی ﷺ

"المسلم اخوالمسلم، لا يظلمه، ولا يخذله، ولا يسلمه[5]

ترجمہ: "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ ہی اسے تنہا چھوڑتا ہے۔"

یہ حدیث اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرے، اسے نقصان سے بچائے اور اس کی عزت و حرمت کی حفاظت کرے۔

مزید ارشادِ نبوی ﷺ ہے

"مثل الاخوين مثل اليدين يغسل احداهما الآخر[6]

ترجمہ: "دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی مانند ہے، جو ایک دوسرے کو دھوتے ہیں۔"

اخوت کے عملی تقاضے: جہاں دو مسلمانوں کے درمیان اختلافات ہوں، وہاں ان کے درمیان صلح کروانا لازم ہے۔ کسی مسلمان پر ظلم کرنے سے بچنا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ظلم سے روکنا۔ ہر مسلمان کا حق ہے کہ اسے معاشرتی اور دینی مدد فراہم کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہمیں محبت، اتحاد، اور بھائی چارے کا درس دیتی ہیں، جو اسلامی معاشرے کی بنیاد ہیں۔ آپ ﷺ نے بارہا مسلمانوں کو اخوت کے اصول پر کاربند رہنے کی تاکید کی اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کرنے کی ترغیب دی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"كونوا عباد الله إخو انا[7]"

ترجمہ: "اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔"

یہ جامع پیغام مسلمانوں کو باہمی محبت اور یکجہتی کے دائرے میں لاتا ہے، جہاں ہر شخص دوسرے کے لیے خیر خواہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مومنین کے تعلق کو ایک عمارت سے تشبیہ دی اور فرمایا:

"المؤمن للمؤمن كا لبنيان يشد بعضُه بعضاً[8]"

ترجمہ: "مومن، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس میں بعض کو بعض سے قوت حاصل ہوتی ہے۔"

یہ تشبیہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور تعاون کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے، جہاں ہر فرد دوسرے کے لیے سہارا اور قوت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کے درمیان اخوت اور ہمدردی کا ایک مثالی معیار مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے مومنوں کو ایسا معاشرتی ڈھانچہ بنایا جہاں ہر فرد دوسرے کی خوشی اور غم میں برابر شریک ہوتا ہے۔

---

4 الحجرات 10:49

5 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (رقم الحدیث: ۲۴۴۲)

6 عراقی، زین الدین عبد الرحیم، المغنی، دار ابنِ حزم بیروت، ۱۴۲۶ھ، ج 1، ص 629۔

7 بخاری، الجامع الصحیح (رقم الحدیث: ۲۰۶۴)۔

8 ۔ ایضاً (رقم الحدیث: ۲۰۲۶)۔

ارشادِ نبوی ﷺ

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ[9]"

ترجمہ: "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اسلام نے مومنوں کے درمیان محبت اور احساس کو مضبوط رشتے میں باندھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تعلق کو ایک جسم سے تشبیہ دی:

بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى[10]"

ترجمہ: "مومن آپس میں محبت، رحم دلی، اور شفقت میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف ہو تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے

انسانی حقوق کا اسلامی تصور: قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں انسان کے بنیادی حقوق کے تحفظ پر خصوصی تاکید کی گئی ہے

زندگی کا حق: اللہ تعالیٰ نے زندگی کو مقدس قرار دیا ہے اور اس کی ناحق تلفی کو گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

" وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا 11"

ترجمہ: اور جس جان کو اللہ نے حرمت دی ہے، اسے ناحق قتل نہ کرو۔

آزادی کا حق: ہر انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے اور اسے اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ معاشرتی یا مذہبی اصولوں کی خلاف ورزی نہ کرے۔ شریعت اسلامیہ ظلم، جبر، اور تشدد کی ہر شکل کو مسترد کرتی ہے انصاف اور رحم دلی کو فروغ دیتی ہے۔ قرآن اور سنت میں انسان کی ذاتی زندگی کا احترام کرنے اور دوسروں کی نجی معاملات میں مداخلت سے منع کیا گیا ہے۔

جلال الدین عمری کے اس قول میں انسانی عزت و وقار کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ انسان کی تحقیر و تذلیل اور اسے بدنام کرنے کی ہر کوشش اس کی عزت نفس کو مجروح کرتی ہے، جو اسلامی تعلیمات کے صریح خلاف ہے۔ اسلام نے ہر انسان کو عزت و احترام کا مستحق قرار دیا ہے، خواہ اس کا مذہب، قوم، یا زبان کوئی بھی ہو۔

انسانی وقار کا اسلامی تصور: اسلامی تعلیمات کے مطابق، ہر انسان کو عزت دی گئی ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

" وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ12"

(ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔)

بدنامی سے بچانے کی تعلیم: اسلام کسی کی عزت کو اچھالنے یا اسے بدنام کرنے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ13"

(ترجمہ: اور نہ تم ایک دوسرے پر طعن کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔)

عزت نفس کی حفاظت:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"[14]

وقار اور حرمت کی ضمانت

اسلامی معاشرے میں ہر فرد کو عزت و وقار کے ساتھ جینے کا حق حاصل ہے۔ کسی کی عزت پر حملہ یا اسے تذلیل کا نشانہ بنانا نہ صرف فرد کے حق کی پامالی ہے بلکہ معاشرتی امن کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔

---

9 صحیح بخاری اور مسلم

10 صحیح بخاری و مسلم

11 الفرقان 68:25

12 الاسراء 70:17

13 الحجرات 11:49

14 عمری، سید جلال الدین، اسلام انسانی حقوق کا پاسبان، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، 2008ء ص 57۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے اس بیان میں انسانی حقوق کے ایک اہم پہلو، یعنی **اظہارِ رائے کی آزادی** پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے مطابق، ہر شہری کو اپنی سوچ، رائے، اور خیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ یہ آزادی جمہوریت اور انسانی حقوق کی بنیاد ہے، اور اس میں درج ذیل امور شامل ہیں:

اظہارِ رائے کی آزادی کے اہم پہلو: ہر فرد کو اپنی بات کہنے اور خیالات کا آزادانہ طور پر اظہار کرنے کا حق حاصل ہے، بشرطیکہ وہ دوسروں کے حقوق اور معاشرتی اخلاقیات کا احترام کرے۔

حقِ رائے: شہریوں کو کسی بھی مسئلے پر اپنی رائے رکھنے اور اسے آزادانہ طور پر پیش کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

اختلاف اور تنقید کا حق: اختلافِ رائے اور تنقید معاشرتی ترقی اور اصلاح کے لیے ضروری ہے۔ اس کے ذریعے معاشرتی کمزوریوں اور مسائل کو سامنے لایا جا سکتا ہے۔

صحافتی آزادی: میڈیا اور صحافیوں کو آزادانہ طور پر حقائق پیش کرنے اور عوامی مسائل اجاگر کرنے کا موقع فراہم کرنا ضروری ہے، تاکہ معاشرتی انصاف اور شفافیت کو یقینی بنایا جا سکے۔[15]

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اظہارِ رائے کی آزادی

اسلامی تعلیمات میں بھی اظہارِ رائے کی آزادی کو اہم مقام دیا گیا ہے، بشرطیکہ یہ آزادی معاشرتی اخلاقیات کے دائرے میں ہو اور دوسروں کی عزت و وقار کو مجروح نہ کرے۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **دین خیر خواہی کا نام ہے۔**[16] "یعنی سچائی اور اصلاح کے لیے رائے کا اظہار ضروری ہے۔

ریاست کی ذمہ داری ڈاکٹر طاہر القادری کے بیان کے مطابق، ریاست کا فرض ہے کہ وہ شہریوں کے اس بنیادی حق میں مداخلت نہ کرے اور ایسا ماحول فراہم کرے جہاں ہر شخص بلاخوف اپنی رائے پیش کر سکے۔ اظہارِ رائے کی آزادی انسانی حقوق کی بنیاد اور معاشرتی ترقی کا اہم ذریعہ ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کا بیان ہمیں اس بات کی یاد دہانی کراتا ہے کہ اس آزادی کو یقینی بنانا ریاست اور معاشرے دونوں کی ذمہ داری ہے، تاکہ ایک پرامن اور ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔ قیامِ پاکستان کے بعد انسانی اور سیاسی حقوق کی پامالی کا سلسلہ جلد ہی شروع ہو گیا، جس کی ایک نمایاں مثال صدر ایوب خان کے دورِ حکومت میں محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ روا رکھا گیا رویہ ہے۔ ایوب خان نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے بنیادی جمہوریتوں کا نظام متعارف کرایا، جو عوامی رائے کو دبانے اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کا ذریعہ بنا۔ "[17]

یہ واقعات پاکستان کی سیاسی تاریخ میں حقوق کی پامالی اور اقتدار کی خاطر اصولوں سے انحراف کی نمایاں مثال ہیں۔ عوامی رائے کو دبانے اور دھاندلی کے ذریعے مخالفین کو شکست دینے کے ان ہتھکنڈوں نے جمہوری اقدار کو شدید نقصان پہنچایا اور سیاسی نظام پر عوام کے اعتماد کو متزلزل کر دیا۔ محترمہ فاطمہ جناح، جو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی بہن اور عوام میں بے پناہ مقبول تھیں، ان کے خلاف ایوب خان نے غیر قانونی حربے استعمال کیے اور انتخابی عمل میں دھاندلی کی۔ پاکستان کی تاریخ میں سیاسی حقوق کی پامالی اور غیر جمہوری اقدامات نے کئی سانحات کو جنم دیا، جن میں سے ایک بدترین سانحہ ملک کے مشرقی حصے کی علیحدگی ہے۔ صدر ایوب خان کے بعد جنرل یحییٰ خان کو، جو سیاست سے نابلد اور ذاتی زندگی میں غیر ذمہ دارانہ رویے کے لیے مشہور تھے، زبردستی اقتدار پر بٹھا دیا گیا۔ ان کی قیادت میں مغربی پاکستان کے سیاستدانوں اور جرنیلوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کی اکثریت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اقتدار ان کے حوالے نہیں کیا، جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں بداعتمادی اور علیحدگی پسندی کو ہوا ملی۔ فضل مقیم خان اس صورتحال کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سیاست دانوں نے مشرقی پاکستان کے ساتھ زیادتیاں کیں جن کی وجہ سے اتنا بڑا سانحہ رونما ہوا۔ مرکزی حکومت نے عوام کو اعتماد میں لیے بغیر گورنر اور وزیر مقرر کر دیے تھے۔ مشرق کے لوگ انہیں اپنا اصل نمائندہ نہیں سمجھتے تھے۔[18] " مغربی پاکستان کے حکمرانوں کی ان زیادتیوں اور مشرقی پاکستان کے عوام کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کی پالیسیوں نے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ یہ نہ صرف ایک جغرافیائی نقصان تھا بلکہ قومی وحدت، اعتماد، اور سیاسی استحکام کے لیے ایک ناقابلِ تلافی دھچکا بھی تھا۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں غیر جمہوری ادوار اور سیاست دانوں کے غیر ذمہ دارانہ کردار نے معاشرے کو سنگین نقصان پہنچایا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں سیاسی شخصیات نے اقتدار کے حصول کے لیے آمرانہ حکومتوں کا ساتھ دیا، اور اسی طرح جنرل پرویز مشرف کے غیر جمہوری اقدامات کو بھی کئی سیاستدانوں نے اپنے مفادات کی خاطر سہارا دیا۔ آئین معطل کیا گیا، انسانی حقوق پامال کیے گئے، اور عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔

---

15 قادری، ڈاکٹر محمد طاہر، فکری مسائل کا اسلامی حل، منہاج سی ڈیز اینڈ بکس فیصل آباد، 2012ء، ص 79

16 صحیح مسلم

17 نظامی، قیوم، جرنیل اور سیاست دان تاریخ کی عدالت میں، نیاز جہانگیر پرنٹرز لاہور، 2006ء، ص 74

18 فضل مقیم خان، میجر جنرل، پاکستان کا المیہ 1971ء، آرمی ایجوکیشن پریس راولپنڈی، ص 59 تا 63۔

بنیادی حقوق کی پامالی:

وگوں کو غیر قانونی طور پر غائب کر دیا گیا، اور بہت سے افراد کو بیرونی طاقتوں کے حوالے کر دیا گیا۔ آئین کے تحفظ کے لیے سیاست دانوں کی ذمہ داری تھی، لیکن وہ ذاتی مفادات کے تحت آمرانہ حکومتوں کا حصہ بن گئے۔

ذاتی مفادات اور غیر ذمہ دارانہ سیاست کی وجہ سے شدت پسندانہ جذبات نے معاشرے میں جنم لیا، جو آج سماجی تانے بانے کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ پاکستان کی سیاست میں کئی ادوار ایسے آئے جہاں قومی مفادات کو پس پشت ڈال کر ذاتی اور جماعتی مفادات کو ترجیح دی گئی

پاکستان میں سیاسی کشمکش کی جڑیں نہ صرف اندرونی عوامل بلکہ بڑی حد تک بیرونی عناصر کی مداخلت میں بھی پیوست ہیں۔ بیرونی طاقتوں کی مسلسل کوشش رہی ہے کہ پاکستان سمیت مسلم ریاستیں ان کے زیرِ اثر رہیں تاکہ وہ ان کے سیاسی، معاشی، اور دفاعی معاملات کو اپنے مفادات کے مطابق چلائیں۔ اسٹیبلشمنٹ اکثر ملکی سیاست پر اثر انداز ہوتی ہے، اور سیاستدانوں کو اپنے مقاصد کے تحت استعمال کرتی ہے۔ اس عمل میں اسٹیبلشمنٹ بیرونی طاقتوں کے اشاروں پر بھی کام کرتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کے الفاظ میں، اسٹیبلشمنٹ کا سیاست پر بالواسطہ یا بلاواسطہ کنٹرول جمہوریت کی بڑی خرابیوں میں سے ایک ہے۔

سیاستدانوں کی ناکامی: پاکستانی سیاست دان بیرونی سازشوں اور اسٹیبلشمنٹ کے اثر و رسوخ پر قابو پانے میں ناکام رہے ہیں۔ ان کی ترجیح ذاتی اور جماعتی مفادات رہی، جس کی وجہ سے وہ نہ تو متحد ہو سکے اور نہ ہی ملکی خود مختاری کو مضبوط کر سکے۔[19]

جاگیر دارانہ نظام (Feudalism) ایک ایسا نظام ہے جس میں زمین اور وسائل پر چند افراد یا خاندانوں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ اس نظام میں زمین کے مالک جاگیر دار ہوتے ہیں جو نہ صرف زمین کی پیداوار پر اختیار رکھتے ہیں بلکہ اس پر کام کرنے والے کسانوں کی زندگی پر بھی حاوی ہوتے ہیں۔ پاکستان میں یہ نظام نہ صرف معیشت بلکہ سیاست پر بھی گہرا اثر ڈال رہا ہے۔

جاگیر دارانہ نظام کی تعریف: جاگیر دارانہ نظام زمین کی ملکیت اور اس سے متعلقہ اختیارات کے گرد گھومتا ہے۔ اس نظام میں زمین کا مالک (جاگیر دار) کسانوں یا مزدوروں سے کام کرواتا ہے اور ان کی محنت کا زیادہ تر فائدہ خود اٹھاتا ہے۔

مغربی مصنف سیموئیلز ہاک نے **Feudalism** کو یوں بیان کیا۔

"جاگیر دارانہ نظام ایک ایسا سیاسی نظام تھا جس میں بادشاہ اپنی زمینوں کا استعمال کچھ معززین (نوابوں) کو سونپ دیتا تھا۔ اس کے بدلے میں یہ نواب بادشاہ کو اپنی وفاداری اور فوجی خدمات فراہم کرتے تھے۔ یہ نظام نہ صرف یورپ میں پروان چڑھا بلکہ جاپان جیسے دیگر ممالک میں بھی رائج ہوا۔[20]"

جاگیر دارانہ نظام کی خصوصیات:

زمین پر اجارہ داری: جاگیر دار زمین کے وسیع رقبے کے مالک ہوتے ہیں۔ کسانوں کو زمین پر کام کرنے کے باوجود ان کی محنت کا پورا صلہ نہیں ملتا۔

سیاسی اثر و رسوخ: جاگیر دار نہ صرف زمین پر بلکہ سیاست پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

زیادہ تر جاگیر دار ہی مقامی اور قومی سطح پر سیاسی طاقت حاصل کرتے ہیں۔

معاشرتی ناانصافی: یہ نظام عدم مساوات کو فروغ دیتا ہے، جہاں چند افراد بے پناہ وسائل کے مالک ہوتے ہیں اور باقی عوام غربت کا شکار رہتی ہے۔

پاکستان میں جاگیر دارانہ نظام: پاکستان کے بیشتر دیہی علاقوں میں یہ نظام آج بھی مضبوطی سے قائم ہے۔ جاگیر دار مقامی سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور عوام کو غربت اور ناخواندگی کے ذریعے قابو میں رکھتے ہیں۔

اس نظام کے اثرات : کسانوں کی محنت کا زیادہ حصہ جاگیر دار لے لیتے ہیں، جس کی وجہ سے معیشت کی ترقی رک جاتی ہے۔

جاگیر دار انتخابات میں اثر و رسوخ استعمال کرتے ہیں اور اپنی مرضی کی پالیسیوں کو فروغ دیتے ہیں۔ تعلیم اور صحت جیسی بنیادی سہولتوں سے عوام کو محروم رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جاگیر داروں پر انحصار کریں۔ پاکستان میں جاگیر دارانہ نظام کی بنیاد برطانوی دورِ حکومت میں رکھی گئی، جب انگریزوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے زمینوں کی تقسیم کی۔ یہ تقسیم دو خاص طبقات کے حق میں کی گئی۔

---

[19] قادری، ڈاکٹر محمد طاہر، پاکستان میں حقیقی تبدیلی، منہاج پبلی کیشنز لاہور، 2012ء، ص 44،43

[20] Feudalism in Europe, Dr. Samuels Halk, Nationwide Bookstore, Denmark, 2001, p. 67.

سیاسی فائدہ اٹھانے والا طبقہ : یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مغلیہ دور کے زوال اور ملک میں پیدا ہونے والی افراتفری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ افراد بڑے بڑے زمینی رقبوں پر قابض ہو گئے اور بعد میں انگریزوں سے اپنی ملکیت کے حقوق تسلیم کروا لیے۔"[21]

یہی طبقے برصغیر میں جاگیردارانہ نظام کے تسلسل اور پاکستان میں اس کے اثرات کی بنیاد بنے۔ ان کی طاقت اور اثرورسوخ آج بھی پاکستان کی سیاست اور معیشت پر گہرے اثرات ڈال رہے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کو اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ جاگیردار طبقہ عام مسلمانوں کا استحصال کر رہا ہے اور ان کی بدحالی کا باعث بن رہا ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے زندگی گزارنا مشکل ہو گیا تھا، اور غربت اور محرومی عروج پر تھیں۔ اسی احساس کے تحت انہوں نے 24 اپریل 1943ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسویں سالانہ اجلاس میں اپنے تاریخی خطاب کے دوران جاگیرداروں کو سختی سے تنبیہ کی اور ان کے رویے کی مذمت کی۔

" قائداعظمؒ نے اس موقع پر جاگیرداروں اور وڈیروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ اپنے رویے کو تبدیل نہیں کرتے اور عوام کے مسائل کو حل کرنے میں سنجیدگی نہیں دکھاتے، تو انہیں نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کے خطاب میں عوام کے لیے ہمدردی اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف سخت موقف واضح طور پر عیاں تھا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو سخت الفاظ میں خبردار کرتے ہوئے کہا کہ یہ طبقہ ایک ایسے نظام سے فائدہ اٹھا رہا ہے جو انتہائی بگڑا ہوا، ظالمانہ اور خودغرضی پر مبنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کی خودغرضی اور لالچ اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ان کے ساتھ منطقی بات کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ عوام کا استحصال ان کی فطرت میں شامل ہو چکا ہے، اور انہوں نے اسلام کے اصولوں کو فراموش کر دیا ہے۔ قائداعظمؒ نے مزید فرمایا کہ یہ لوگ اپنی خودغرضی اور لالچ کی خاطر دوسروں کے مفادات کو پس پشت ڈال کر اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ لاکھوں لوگ ایسے ہیں جو دن میں بمشکل ایک وقت کا کھانا حاصل کر پاتے ہیں۔ کیا یہ تہذیب ہے؟ کیا یہ پاکستان کے قیام کا مقصد ہے؟ کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ پاکستان کے عوام کو اس حد تک استحصال کا شکار بنایا جائے کہ وہ ایک وقت کے کھانے کے لیے بھی ترس جائیں؟ اگر یہی پاکستان کا تصور ہے تو میں ایسے پاکستان کو کبھی قبول نہیں کروں گا۔ انہوں نے جاگیرداروں کو خبردار کیا کہ اگر وہ عقل مند ہیں تو انہیں جدید زندگی کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہو گا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو پھر ان کے لیے خدا ہی مددگار ہو گا، لیکن ہم ان کی مدد نہیں کریں گے۔"[22] قائداعظمؒ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی، اور جاگیردار طبقے نے پاکستانی معاشرے کی جڑوں کو دیمک کی طرح کھوکھلا کرنا شروع کر دیا، جس کا اثر آج تک برقرار ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے معاشرے میں اعلیٰ اور ادنیٰ کا تصور پیدا کیا، جس نے طبقاتی تفریق کو جنم دیا۔ یہ طبقاتی نظام نہ صرف عام عوام کو حقوق سے محروم کرتا رہا بلکہ ان کے وسائل پر بھی قابض رہا۔ انہی جاگیرداروں نے طاقت اور دولت کے بل بوتے پر اقتدار پر قبضہ کیے رکھا اور ملک کو بحرانوں سے نکالنے کے بجائے اسے مزید کمزور کرتے گئے۔

ڈاکٹر طاہر القادری اس صورت حال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں": ایک طرف جاگیردار وڈیرے ہیں، ایک طرف سرمایہ دار اور مال دار ہیں، اور ایک طرف اسٹیبلشمنٹ۔ یہ تین طبقات اس ملک میں درجہ قوو کے مہرے ہیں، اور نظام انہی کے دامِ فریب میں پھنسا ہوا ہے۔ مروجہ نظام سیاست میں انتظامیہ اور سیاست دانوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ملک میں ساری ناانصافیوں، کرپشن، اور اقرباء پروری کا ماحول ان کے مشترکہ منصوبہ کا باعث وقوع پذیر ہوتا ہے۔[23]"

یہ بیان اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ جاگیردار، سرمایہ دار، اور اسٹیبلشمنٹ کے گٹھ جوڑ نے معاشرے میں ناانصافیوں کو بڑھایا اور عوام کے بنیادی حقوق کو مسلسل پامال کیا۔ اس شراکت داری نے ایک ایسا نظام پیدا کیا ہے جو استحصال پر مبنی ہے اور تبدیلی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔

تعصبات: صوبائی تعصب پاکستان کے سیاسی، سماجی، اور معاشی نظام کے لیے ایک گہرا چیلنج رہا ہے۔ سیاسی شدت پسندی کی اس قسم نے نہ صرف ملک کے اتحاد کو نقصان پہنچایا بلکہ مختلف خطوں کے عوام کے درمیان نفرت اور بداعتمادی کو بھی بڑھایا ہے۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے مذہب، زبان، اور فرقہ واریت کو استعمال کیا گیا، جس سے شدت پسندی اور دہشت گردی جیسے مسائل کو تقویت ملی۔

بلوچستان کا مسئلہ: قیام پاکستان سے لے کر آج تک بلوچستان مسلسل نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ اس خطے کو حقوق سے محروم رکھنے اور ترقیاتی منصوبوں میں پیچھے رکھنے کی پالیسیوں نے یہاں احساس محرومی کو جنم دیا۔ یہی محرومی وقت کے ساتھ شدت پسندی اور علیحدگی کی تحریکوں کا سبب بنی۔ ریاستی ناانصافیوں اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم نے بلوچستان کے عوام کے جذبات کو مزید بھڑکایا۔

---

21 اے آر، شبلی، پاکستان میں دیہی خدا، آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور، س ن، ص 44۔

22 Dawn, august 13, 2009

23 قادری، ڈاکٹر محمد طاہر، پاکستان میں حقیقی تبدیلی، منہاج پبلی کیشنز لاہور، 2012ء، ص 29۔

سندھ کی صورتحال: سندھ میں بھی صوبائیت کے نام پر تعصب کو ہوا دی گئی۔ سندھو دیش جیسی تحریکیں اسی تعصب اور ناانصافی کا نتیجہ ہیں، جو سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے کے نعرے لگاتی رہی ہیں۔ یہ تحریکیں اکثر سیاسی مقاصد کے تحت چلائی گئیں، جن کا مقصد صرف عوامی جذبات کو بھڑکا کر اپنی طاقت کو مضبوط کرنا تھا۔

پنجاب پر تنقید: پنجاب، جو سیاسی اور معاشی اعتبار سے دیگر صوبوں کے مقابلے میں حاوی سمجھا جاتا ہے، اکثر دیگر صوبوں کی تنقید کا نشانہ بنتا ہے۔ سیاسی طور پر مضبوط ہونے کی وجہ سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ پنجاب ملک کے وسائل پر قابض ہے اور دیگر صوبوں کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کے قیام کی وجوہات میں بھی یہی ناانصافی اور صوبائیت کا عنصر شامل تھا۔

محمد نذیر کاکاخیل کے بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف چلنے والی سازشوں اور طاغوتی طاقتوں کے اثرات کے حوالے سے اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پاکستان کی سالمیت اور اسلامی اقدار کو نقصان پہنچانے کے لیے مختلف سازشی حربے اپنائے جا رہے ہیں۔

طاغوتی طاقتوں کا کردار:

نذیر کاکاخیل کے مطابق، یہ طاقتیں مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے عوام، بالخصوص نوجوانوں اور طلبہ، کو گمراہ کر رہی ہیں۔ ان حربوں میں چار قومیتوں کا تصور یہ نظریہ پیش کیا جا رہا ہے کہ پاکستان مختلف قومیتوں کا مجموعہ ہے، جس سے اتحاد کو کمزور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ذہنی پراگندگی میں ان طاقتوں کا مقصد ان پڑھ اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے، تاکہ ان کی توجہ اہم مسائل سے ہٹائی جا سکے اور ملک کو داخلی طور پر کمزور کیا جا سکے۔ طلبہ کو نشانہ بنانا جس میں طلبہ، جو کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں، ان سازشوں کا خاص ہدف ہیں۔ ان کے ذہنوں میں الجھنیں پیدا کر کے انہیں اپنی اقدار سے دور کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کے خلاف سوچنے پر اکسایا جا رہا ہے۔ اتحاد اور یکجہتی کے بجائے تفریق کے جذبات پیدا کیے جا رہے ہیں۔[24]

علاقائی تعصب : علاقائی تعصب پاکستان کی سیاست اور معاشرت کا ایک سنگین مسئلہ رہا ہے جو نہ صرف ملک کی ترقی کو روکنے میں رکاوٹ بنتا ہے بلکہ داخلی امن و استحکام کو بھی متاثر کرتا ہے۔ علاقائی تعصب کا مطلب یہ ہے کہ افراد یا گروہ اپنے جغرافیائی علاقے، زبان، یا ثقافت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تفریق کرتے ہیں۔ یہ تعصب پاکستان میں مختلف سطحوں پر موجود ہے، جیسے:

ضلع کی سطح پر تعصب : مختلف اضلاع یا شہروں کے لوگ ایک دوسرے کو کمتر یا برتر سمجھتے ہیں، جو کہ ایک سماجی تقسیم کو جنم دیتا ہے۔

زبان اور لہجے کا تعصب : پاکستان میں مختلف زبانیں بولنے والے لوگ ایک دوسرے کی زبانوں اور لہجوں کو معیار کے طور پر نہیں مانتے اور ان میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔

تشدد اور تناؤ : علاقائی تعصب کی وجہ سے کبھی کبھار تشدد اور کشیدگی جنم لیتی ہے جو ملکی امن کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔

ملکی ترقی کی رکاوٹ : جب مختلف علاقے ایک دوسرے کے خلاف تعصبات رکھتے ہیں، تو وہ ایک ساتھ مل کر کام کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ملکی ترقی متاثر ہوتی ہے۔

قومی اور صوبائی عصبیت: پاکستان کی سب سے بڑی قوت اس کا قومی اتحاد ہے، اور ہم سب کو ایک پاکستانی ہونے پر فخر کرنا چاہیے۔ ہمیں قومی و صوبائی عصبیت سے باہر نکل کر ایک مضبوط، متحد، اور پرامن پاکستان کی تعمیر کی کوشش کرنی چاہیے۔

عدم مساوات:

مساوات انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک ہے اور اسلام نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث میں مساوات کا اصول واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ تمام انسان ایک ہی سطح پر ہیں اور انہیں حقوق، انصاف اور عزت کے حوالے سے یکساں مواقع ملنے چاہئیں۔ یہی اصول بین الاقوامی قوانین میں بھی تسلیم کیا گیا ہے اور آئینی طور پر بھی تمام شہریوں کو مساوی حقوق فراہم کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

مساوات کا اسلامی تصور: اسلام میں مساوات کا مفہوم صرف مذہب یا قومی تعلقات تک محدود نہیں بلکہ اس میں رنگ، نسل، زبان، جنس اور سماجی حیثیت کی کوئی قید نہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ "[25]

---

24 ہماری قومی وحدت اور اس کے تقاضے، محمد نذیر کاکاخیل، ص ۹۵۔

25 الحجرات 13:49

"تم میں سے سب سے عزت والا وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے۔"

یہ آیت مساوات اور عدل کی ایک بہت بڑی مثال ہے، جو بتاتی ہے کہ انسانوں کے درمیان تفاوت کا معیار صرف تقویٰ اور اللہ سے تعلق ہے۔

آئینی اور قانونی طور پر مساوات: آئین پاکستان میں بھی مساوات کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔ پاکستان کا آئین تمام شہریوں کو مساوی حقوق دینے کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ریاست ہر شہری کو سیاسی، معاشی، اور سماجی حقوق فراہم کرے گی۔ اس کے باوجود، عملی طور پر بہت سے افراد اور طبقات جنہیں اس کا حق ملنا چاہیے، حقوق سے محروم ہیں، خصوصاً وہ طبقات جو سماجی، معاشی یا سیاسی طور پر کمزور ہیں۔

سماجی اور سیاسی محرومی: سماجی طبقات جنہیں سیاسی حقوق حاصل نہیں ہوتے، انہیں اکثر احساس محرومی کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ محرومی اتنی شدید ہو سکتی ہے کہ وہ طاقت کے ذریعے اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال پاکستان کے قبائلی علاقے ہیں، جہاں مقامی لوگ اپنے حقوق کے لیے سیاسی اور سماجی تبدیلی کی کوشش کرتے ہیں۔

انتہا پسندی اور محروم طبقات: جب سماجی انصاف اور مساوات کی کمی ہوتی ہے، تو ایسے لوگ انتہا پسندی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ ان کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کا واحد راستہ طاقت کا استعمال ہے۔ اس کی ایک واضح مثال وہ قبائلی علاقے ہیں جہاں لوگ اپنے حقوق کے لیے لڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہاں کی معاشرتی ساخت میں تبدیلی لانے کی کوششیں جاری ہیں۔

سید جلال الدین عمری کا قول: سید جلال الدین عمری کا یہ قول "اس میں نسل، رنگ، جنس (مرد اور عورت)، زبان، مذہب، سیاسی یا دیگر افکار، خیالات، سماجی و معاشی حیثیت اور جائے پیدائش کی بنیاد پر فرق و امتیاز نہیں کیا جائے گا" مساوات کی اس اسلامی اور آئینی اصول کی توثیق کرتا ہے کہ انسانوں کے درمیان کسی بھی قسم کا امتیاز غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہے۔[26]

حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کا نظریہ تمام افراد کو برابری کی بنیاد پر حقوق دینے کی بات کرتا ہے، لیکن عملی طور پر یہ مساوات ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ جمہوریت میں تمام شہریوں کو یکساں مواقع فراہم کرنے کی بات کی جاتی ہے، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں تو اقلیتی گروہوں اور کمزور طبقات کے ساتھ امتیازی سلوک یا ظلم کا سامنا ہوتا ہے۔ مثلاً، رنگ و نسل یا مذہب کی بنیاد پر تفریق کرنا، امیر اور غریب کے درمیان فرق بڑھانا، یا طاقتور طبقات کے لیے مراعات پیدا کرنا، یہ سب جمہوری اصولوں کے منافی ہیں۔ اس کے علاوہ، قانون کی نظر میں تو سب کو برابر ہونا چاہیے، مگر بعض افراد یا گروہ اس کے باوجود اپنی حالتوں میں بہتری نہیں لا پاتے۔ جمہوری فکر میں آزادی اور مساوات کے نظریے نے بعض انفرادی مسائل کو حل کرنے میں مدد دی، لیکن اجتماعی سطح پر یہ سسٹم اس قدر پیچیدہ اور تضادات سے بھرپور ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے سماج میں پیدا ہونے والے مسائل کو مکمل طور پر حل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ جمہوریت کا کامیاب نفاذ تب تک مشکل رہتا ہے جب تک کہ سچ مچ کی مساوات اور انصاف کا نظام پوری معاشرتی سطح پر نافذ نہ ہو۔ اس صورتحال میں سماجی اور سیاسی اصلاحات کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ تمام شہریوں کو حقیقی مساوات اور انصاف فراہم کیا جا سکے، اور جمہوریت صرف نظریہ نہیں بلکہ عملی طور پر بھی یکساں حقوق کی ضمانت دے سکے۔ پاکستانی جمہوری نظام میں، جس کے پاس اقتدار یا عوامی حمایت ہے، وہ اپنے حقوق کو محفوظ رکھتا ہے، جب کہ جو لوگ سیاسی طور پر کمزور ہیں، ان سے اکثر ظلم و زیادتی کی جاتی ہے اور ان کی آواز دبائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں طبقاتی فرق بڑھتا ہے، اور یہ طبقاتی فرق ایک طرفہ اور غیر مساوی طور پر وسائل کے تقسیم کو جنم دیتا ہے۔

سیاسی کلچر اور حقوق: پاکستانی سیاست میں اکثر اس تصور کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ "جس کے پاس ووٹ ہیں، اس کے حقوق ہیں"۔ یعنی وہ شخص جو اقتدار میں ہے، اس کے پاس اپنے علاقے کے عوام کے لیے ترقیاتی منصوبوں کی منظوری اور فنڈز حاصل کرنے کی طاقت ہوتی ہے، جبکہ سیاسی طور پر کمزور طبقے کو ان بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے افراد اپنے حلقوں کے لیے ترقیاتی کاموں کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے سڑکوں کی تعمیر، پانی اور بجلی کی فراہمی، اور روزگار کے مواقع پیدا کرنا۔ تاہم، یہ سب ترقیاتی منصوبے سیاسی وابستگی کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں، اور ان لوگوں کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو حکومت یا کسی سیاسی جماعت کے ساتھ جڑے نہیں ہوتے۔

---

26 عمری، سید جلال الدین، اسلام انسانی حقوق کا پاسبان، ص 44۔

سیاسی انتقام:

پاکستان میں انتخابات کے بعد ان افراد یا حلقوں سے انتقام لیا جانا ایک عام مشاہدہ ہے جنہوں نے حکومتی پارٹی کو ووٹ نہیں دیا۔ اس انتقام کی صورت میں اکثر سیاسی مخالفین کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں، ان کے علاقے میں ترقیاتی فنڈز نہیں دیے جاتے، اور انہیں مختلف قسم کی زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کے سیاسی انتقام کی وجہ سے معاشرے میں عدم مساوات اور سماجی انصاف کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

طبقاتی کشمکش اور شدت پسندی: یہ محرومی اور سیاسی عدم مساوات طبقاتی کشمکش کا باعث بنتی ہے۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جس کے پاس اقتدار ہے اور جو وسائل کے تمام فوائد حاصل کرتا ہے، جبکہ دوسری طرف وہ طبقہ ہے جس کو ان بنیادی ضروریات کی فراہمی میں مشکلات کا سامنا ہے۔ یہ طبقاتی کشمکش وقت کے ساتھ شدت اختیار کر لیتی ہے، جو معاشرتی بے چینی اور عدم استحکام کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر اس بے چینی کو نظر انداز کیا جائے تو یہ شدت پسندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کیونکہ محروم طبقات اپنے حقوق کے لیے احتجاج کرتے ہیں، اور یہ احتجاج کبھی کبھار تشدد کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، وہ لوگ جو اپنے حقوق کے حصول کے لیے پرامن طریقے استعمال کرتے ہیں، انہیں اکثر دبایا جاتا ہے، جس سے ان میں مزید مایوسی اور انتہا پسندی جنم لیتی ہے۔

بین الاقوامی انسانی حقوق: یہ صورتحال اس وقت مزید سنگین ہو جاتی ہے جب اس کو بین الاقوامی انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ "تمام انسانی حقوق آفاقی، ناقابل تقسیم اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں" کے اصول کی رو سے، ہر انسان کو اس کے حقوق کی مکمل حفاظت ملنی چاہیے، چاہے وہ سیاسی طور پر کمزور ہو یا طاقتور۔ تاہم، پاکستان میں یہ اصول عملاً پورا نہیں ہوتا اور جمہوری نظام میں طبقاتی فرق کی بنا پر حقوق کا تقسیم ناپسندیدہ اور غیر منصفانہ ہوتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کا 12 جنوری 1967ء پاکستان آبزرور میں ایک آرٹیکل شائع ہوا جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

ذاتی پس منظر اور سیاست سے محبت: بھٹو نے اعتراف کیا کہ اگرچہ وہ پیدائشی زمیندار اور پیشے کے لحاظ سے وکیل ہیں، لیکن سیاست ان کی اصل دلچسپی اور جوش و خروش کا سبب ہے۔ ان کے لیے سیاست صرف پیشہ نہیں، بلکہ ایک "اعلیٰ سائنس" اور "بہترین آرٹ" ہے۔

سیاست کا اصولی تصور: انہوں نے سیاست کو صاف شفاف اور مثبت سرگرمی کے طور پر دیکھا۔ ان کے نزدیک سیاست میں صداقت، اصول پسندی، اور عوامی خدمت کا جذبہ ہونا چاہیے۔

منفی سیاست کی مذمت: بھٹو نے سیاست کے منفی رجحانات، موقع پرستی، اور لالچ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے نزدیک ان رویوں نے سیاست کو ایک مشکوک عمل بنا دیا اور عوام کا سیاستدانوں پر اعتماد ختم کیا۔

عوام کا شعور اور سیاستدانوں کی ذمہ داری: ان کا کہنا تھا کہ عوام اب زیادہ باشعور ہو چکے ہیں اور وہ ان سیاستدانوں پر یقین نہیں کریں گے جو ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں یا اصولوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بھٹو عوامی امنگوں کو سمجھنے اور ان کے مطابق سیاست کرنے پر یقین رکھتے تھے۔[27]"

اہمیت اور موجودہ حالات میں اس کا اطلاق: ذوالفقار علی بھٹو کا یہ بیان آج بھی نہایت متعلقہ محسوس ہوتا ہے۔ ان کے خیالات ایک مثالی سیاستدان کے کردار کو بیان کرتے ہیں، جو کہ آج کے دور میں بھی ایک رہنما اصول ہو سکتا ہے:

سیاستدانوں کو عوام کے جذبات کا احترام کرنا چاہیے۔ اصول پسندی کو لالچ اور موقع پرستی پر ترجیح دی جانی چاہیے۔ سیاست کو عوامی خدمت اور مثبت تبدیلی کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ لارنس زائرنگ کی یہ تحریر پاکستان کی سیاسی تاریخ کے ایک اہم پہلو کو اجاگر کرتی ہے۔ ان کے مطابق، محمد علی جناح کا ویژن ایک مضبوط آئینی نظام کا قیام تھا جس میں ریاستی ادارے فعال اور متحرک ہوتے۔ تاہم، پاکستان کے قیام کے بعد سیاسی کشمکش اور علاقائی مفادات کی برتری نے اس مقصد کو پورا ہونے سے روک دیا۔

ان کی تحریر میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد جن سیاستدانوں کے ہاتھ میں طاقت آئی، انہوں نے اپنے ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی، جس کے نتیجے میں نہ صرف جناح کا خواب پورا نہیں ہو سکا بلکہ ملک میں بدقسمتی سے ایک کمزور حکومتی نظام کی تشکیل ہوئی۔ یہ خیالات پاکستان کے ابتدائی سیاسی چیلنجز کی عکاسی کرتے ہیں، جہاں قیادت کا مؤثر ہونا اور ایک مشترکہ قومی مقصد کے تحت اداروں کی تشکیل ایک پیچیدہ اور دشوار عمل ثابت ہوا۔ اس تناظر میں، پاکستان کی سیاسی تاریخ کے اہم پہلوؤں پر غور کرنے کا یہ ایک اہم زاویہ ہے[28]۔ سابق آئی جی پولیس اظہر حسن ندیم صاحب کی کتاب پاکستان کی سیاسی تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالتی ہے، اور ان کے تجزیے کے مطابق،

---

27 ذوالفقار علی بھٹو 12 جنوری 1967 پاکستان آبروز

28 لارنس زاہرنگ book Name(AT THE CROSS CURRENT OF HISTORY)

ملک کی گورننس کی کمزوریوں کی بنیادی وجہ وہ اصول ہیں جنہیں ریاست کے قیام کے بعد ترک کر دیا گیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی رحلت کے بعد جاگیر دار اشرافیہ نے اپنے مفادات کو ترجیح دی اور ریاست کے حقیقی وژن سے ہٹ کر اپنی بالادستی قائم کی۔ ندیم صاحب کے مطابق، مسلم لیگ اور ریاست نے بے آسانی سے بیوروکریسی، جاگیر داروں اور فوج کی بڑھتی ہوئی طاقت کو قبول کیا، جو کہ ایک طرح سے استحصالی طرز حکومت کی طرف لے گیا۔ ان طبقات کا مفاد یہی تھا کہ وہ کلونیل دور کے استحصالی اداروں کو برقرار رکھیں، جو ان کی طاقت اور اثر و رسوخ کا باعث بنے۔ یہ کتاب پاکستان کی سیاسی تاریخ کے اس حصے پر روشنی ڈالتی ہے جہاں اہم اصولوں کو نظر انداز کر کے گورننس کے نظام میں کمزوری پیدا ہوئی، جس کے نتیجے میں ملک میں سماجی، اقتصادی اور سیاسی مشکلات کا سامنا کیا گیا۔ یہ کتاب ایک اہم سیاسی اور سماجی تجزیہ پیش کرتی ہے جو پاکستان کے موجودہ گورننس ماڈل کے تاریخی پس منظر کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔"[29]

خلاصہ:

پاکستان میں شدت پسندی کے فروغ میں سماجی و معاشرتی اسباب اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشی ناہمواری، غربت، اور بے روزگاری نے نوجوانوں کو مایوسی اور انتہا پسندی کی طرف مائل کیا ہے۔ تعلیم کی کمی اور نظامِ تعلیم کی تفریق نے سماجی تقسیم کو بڑھایا، جبکہ خاندانی نظام کی کمزوری اور سماجی اقدار میں انحطاط نے نوجوانوں کو شدت پسند گروہوں کا شکار بنایا۔ علاوہ ازیں، سماجی ناانصافی، طبقاتی فرق، اور عوامی مسائل کا حل نہ ہونا شدت پسندی کو ہوا دیتا ہے۔ ان اسباب کا تدارک تبھی ممکن ہے جب مساوات، معیاری تعلیم، اور سماجی انصاف کو فروغ دیا جائے

[29] PAKISTAN:" POLITICS OF MISS GOVERNT WRITTEN BY AZHAR HASAN NADEEM"